ترجمہ وتلخیص

اسلامی تاریخ کے مطالعہ میں انحراف کے عوامل

از ڈاکٹر عبدالحلیم عویس

عربی سے ترجمہ: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

اسلامی تاریخ کی ترجمانی کے لئے بعض لوگ "خاص طریقِ کار" اپناتے ہیں تاکہ اس کو اپنی خواہشات ورجحانات کے مطابق مسخ کرکے پیش کرسکیں، حالانکہ وہی لوگ جب اپنی قوم یا دوسری اقوام کی تاریخ کا مطالعہ پیش کرتے ہیں تو اس میں "واقعیت" اور "معروضیت" کا اس درجہ لحاظ کرتے ہیں کہ اس میں عام آداب معاشرت اور ذاتی زندگی کے درمیان بھی تفریق کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ کے "محاکمہ" کے وقت یہ فرض کرلیتے ہیں کہ وہ انسانوں کی نہیں فرشتوں کی تاریخ ہے۔ ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ان فرشتہ صفت اسلامی تاریخی شخصیات میں رائے تک کا اختلاف نہ ہو، اور وہ اپنے اعتقاد کے مطابق حق کی تلاش اور جستجو بھی نہ کریں۔ یہ تاریخ نگار ان کو ایک ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں جس میں انھیں اپنی عقل وبصیرت اور انفرادی رائے کے معمولی سے معمولی اظہار تک کا حق نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمان تاریخ نگاروں ہی نے اس طریقِ کار کی نشر واشاعت میں ان کی مدد کی ہے، چنانچہ ہم سے بہت سوں نے اس تاریخ کو "افسانوی طریقہ" پر پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ تاریخ ایسے لوگوں کی تاریخ معلوم ہوتی ہے جن میں سے کسی کے مرجوح اجتہادات نہ تھے، بلکہ ہر ایک کے اجتہادات راجح تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقِ کار حقیقی زندگی کی منطق سے میل نہیں کھاتا، اور اسی طریقہ نے ہم کو اسلامی ادب کے اُس معروضی تحلیلی مطالعہ سے دور کردیا جس کی ہم کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی۔

سادہ لوح دوستوں اور کینہ پرور دشمنوں کی ملی بھگت

اس طرح یہ دو رجحانات سامنے آئے۔ ایک یہ کہ اس تاریخ کو ان تمام انسانی کمزوریوں کو نظرانداز کرکے مکمل طور پر قبول کرلیا جائے جو کسی بھی معاشرہ کا لازمی جزء ہیں۔

اس کے ردِ عمل کے طور پر دوسرا رجحان یہ پیدا ہوا کہ اس تاریخ ہی کو تجزیہ و تحلیل اور علمی و عقلی مطالعہ کے نام پر رد کر دیا جائے۔ اور اس کے اردگرد الزامات اور شکوک و شبہات کا جال بن دیا جائے، اور بشری مخلصانہ اجتہادی کوششوں کو بڑھا چڑھا کر فاش غلطیوں اور بڑے گناہوں میں تبدیل کر دیا جائے۔

بہرحال دشمنوں اور سادہ لوح دوستوں کا یہ اندازِ فکر ہماری تاریخ کے مطالعہ کے مسخ شدہ طریقِ کار کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے جو آج تک جاری و ساری ہے، کیوں کہ ہم اب تک اپنے ائمہ اور مصلحین کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جمال الدین افغانیؒ اور محمد عبدہٗؒ ہی کو لیجئے جن کو اکثر لوگ مجرم گردانتے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد حسینؒ نے تو نیک نیتی سے اپنی پوری زندگی ان دونوں مصلحین کی غلطیاں جمع کرنے اور ہمیشہ ان دونوں کے اصل نقطۂ نظر کے خلاف ان کی تاویل میں گزار دی، اس میدان میں وہ تنہا نہ تھے، بلکہ ڈاکٹر علی سامی النشارؒ اور جناب محمد عطیہ خمیسؒ (وکیل) جیسے دوسرے مفکرین بھی ان کے ہم خیال تھے مصر و جزیرۂ عرب میں ان کی اس رائے سے متفق اب بھی خاصے لوگ ہیں، ڈاکٹر لویس عوض نے ان کی اس رائے سے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اسلامی تحریروں سے خوب خوب ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، اور جو مصر میں صلیبی قلعوں میں سے ایک قلعہ کی نمائندگی کرتے ہیں، اور ہر اسلامی۔ عربی غربی کو رد کرتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے عربی اور مصری صحافت میں مسلسل جنگ جاری کئے ہوئے ہیں، اور ہماری دولت و ثروت میں سے اپنے اس غلط کام کے لیے بیش قیمت اجرت حاصل کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں ہمارے یہ سادہ لوح دوست ان کینہ پرور دشمنوں سے علمی تحقیق کے نام پر مل جاتے ہیں دوسری طرف اس کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو اس بات کے بھی روادار نہیں ہیں کہ ذرا سی نشتر زنی کر کے افغانی اور عبدہ کی خوبیوں اور خامیوں کو الگ الگ کیا جائے اور غلط اجتہادات کی تشریح ان کے زمانہ کے حالات کی روشنی میں کی جائے۔

انسان اور انسانی اقدار کے بارے میں مسلم و غیر مسلم نقطۂ نظر کا بنیادی اختلاف

اسلامی تاریخ کی منحرفانہ تعبیر کے اس مظہر کے علاوہ دوسرے مظاہر بھی ہیں جنھوں نے ہماری تاریخ کے مطالعہ کو صحیح طریقِ کار سے ہٹانے میں مدد دی ہے، ان میں سے ایک وہ بنیادی اختلاف ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں انسان اور انسانی اقدار کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ غیر مسلم محققین و باحثین انسان اور اس کی سرگرمیوں کو، اس کی جنگوں اور قربانیوں کو، اس کے مذاہب اور سلطنتوں

کے قیام کو صرف مادی عینک سے دیکھتے ہیں، کیونکہ زندگی کے صرف مادی پہلو ہی پر ان کی توجہ مرکوز رہتی ہے، اور روحانی اور اخلاقی گوشہ ان کے نظر میں بے قیمت ہوتا ہے، لہٰذا وہ انسانی زندگی کی تفسیر صرف مادی یا اقتصادی محرکات کی روشنی میں کرتے ہیں، اور دوسرے عناصر کو قریب قریب نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ تو سپنگلر (SPENGLER) اور ٹوائن بی (TOYNBE) کو بھی اس لئے مورد الزام قرار دیتے ہیں کہ ان دونوں نے تاریخ کی تفسیر میں "غیبی رجحان" پر بھی اعتبار کیا ہے۔

لہٰذا خالص مادی نقطۂ نظر کے حامل یہ نام نہاد محققین یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کیسے اپنے پورے مال کو اللہ کی راہ میں دے دیا؟ اور کیسے حضرت صہیبؓ نے اہل مکہ کے لیے اپنی پوری دولت و ثروت چھوڑ دی؟ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ اس تجارت میں فائدہ میں رہے"۔ یہ حضرات حقیقتاً ایک ایسی دور کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سے وہ اس "عجیب و غریب معیار زندگی" کو سمجھ ہی نہیں پاتے، اسی لیے وہ اسلامی فتوحات کی مادی یا اقتصادی تفسیر میں ہر اُس موہوم مواد کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جو ان کے اپنے مقصد کے کام آئیں، بلکہ وہ تو خود اسلام کے معجزانہ ظہور کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ اقتصادی اسباب یا بعض محروم طبقات کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا۔

یہ ناقص فہم وہ پہلا مظہر ہے جو اسلامی موضوعات سے متعلق تمام مغربی تحقیقوں میں قدرِ مشترک کے طور پر ملتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی مزاج عام طور پر مشرقی زندگی اور خاص طور پر اسلامی طرزِ زندگی کے روحانی غیبی عنصر کو سمجھنے میں ناکام ہے، دورِ جدید میں مادی نظریات اور خاص کر تجرباتی طریق کار کے غلبہ کی بنا پر یہ ناکامی اور زیادہ واضح ہو گئی ہے، اور جس قدر زیرِ بحث اسلامی موضوعات اسلامی زندگی کے اولین زمانہ سے متعلق ہوتے ہیں اسی قدر مغرب کی جدید ذہنیت ان کو صحیح پس منظر میں سمجھنے میں ناکام رہتی ہے۔

ذاتی خواہشات و رجحانات کا دباؤ

اس کے علاوہ اکثر مستشرقین جنھوں نے اسلامی تاریخ کو اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے ان کی عادت رہی ہے کہ وہ تاریخ اسلامی کے مطالعہ میں اپنی ذاتی خواہشات و رجحانات

کے سامنے سپر انداز ہو جاتے ہیں، نیز اپنے پیش رو مستشرقین کی تحریروں کو اصل مواد (ORIGINAL SOURCE) کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور اسلام کے بارے میں کلیسا کے اُن افکار و خیالات پر اعتبار کرتے ہیں جو مغربی فکر پر قرونِ وسطیٰ اور عہدِ جدید میں چھائے رہے، ان میں سے اکثر مستشرقین ایسے محکموں کے تنخواہ یاب ملازم بھی ہوتے ہیں جن کی مہم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ ہے، لہٰذا ان کی بحث و تحقیق کا پنجوڑ ان محکموں کے مقاصد کے تابع ہوتا ہے، اس لئے ان کے ذہن میں پہلے سے متعین افکار ہوتے ہیں جن کو ثابت کرنے کے لئے اِدھر اُدھر سے شواہد اور دلیلوں کی تلاش ہوتی ہے، اور ان کی صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا کہ اُن سے اپنی آرا، و افکار کو تقویت پہنچانے کی فکر ہوتی ہے۔ یہ حضرات اکثر جزئی واقعات سے کلّی اصول استنباط کر لیتے ہیں یا اپنی شخصیات اور متعین آرا و افکار، اور خاص خواہشات و رجحانات کو دراندازی کا موقع دے کر واقعات کی تفسیر اور نصوص پر بحث و مباحثہ کرتے ہیں، اسلامی شخصیات و مسائل کی تحلیل اپنے متعین نظریات کی روشنی میں کرتے نہیں جھجکتے، اور اپنے خاص ذہنی سانچے کے مطابق ترجمانی کرتے ہوئے ان پر متعین قسم کے سائے اس طرح ڈالتے ہیں کہ اس سے اصل تصویر کے خدوخال بدل جاتے ہیں۔

اس طرح سے یہ مستشرق اہلِ قلم اپنی خواہشات و مقاصد کے تحت گورکھ دھندوں میں سرگرداں رہتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس وہ علمی امکانات موجود ہیں جن کے ذریعہ وہ اسلامی میراث کے قیمتی مخطوطات حاصل کر سکتے ہیں جو ان کی اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر جواد علی نے اشارہ کیا ہے کہ مستشرق کیتانی (CAETANI) اپنی بحث و تحقیق میں معکوس طریقِ کار پر عمل پیرا تھے۔ اس سے ہم کو اسلامی تاریخ کے میدان میں بہت سے ان نئے ماہرینِ فن کی یاد تازہ ہوتی ہے جو بنیادی طور پر غلط طریقِ کار کے مطابق علمی کاموں میں مشغول ہیں۔ انھوں نے پہلے سے ایک رائے بنالی ہے، پھر اسلامی تاریخ کے واقعات کا مطالعہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان سے اپنی طے شدہ رائے کے مطابق مواد حاصل کریں، اور اس مواد کو صاف نظر انداز کر دیں جو ان کی رائے کے خلاف ہو چنانچہ کیتانی نے سیرتِ پاکؐ کی تالیف سے پہلے ہی اپنی رائے متعین کر لی تھی، اور جب انھوں نے سیرت کی تدوین شروع کی تو ہر ضعیف یا قوی خبر جو ان کے ہاتھ لگی اس سے مدد لی، خاص کر اُن اخبار سے جو اُن کی رائے کے موافق تھیں۔ انھوں نے ضعیف روایات کی بھی پرواہ نہ کی، بلکہ ان کو اور ان کی سندوں کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی، اور ان کو حجت کے طور پر تسلیم کیا، اور ان پر اپنے نتائج اور فیصلوں کی بنیاد رکھی، یہ عین ممکن ہے کہ ان کو اس بات کا علم ہو کہ علماء کے نزدیک معروف و مشہور

جھوٹی سندیں کون سی ہیں اور انھوں نے اس کی پرواہ نہ کی ہو۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے ان سندوں کے بارے میں ان علماء کے اقوال سے صرفِ نظر کیا، کیونکہ وہ ایک متعین رائے کے حامل تھے جس کو وہ ہر طریقہ سے ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ ان جھوٹی روایات کو چھوڑ دیتے، اور بحث و تحقیق کے نئے اسالیب کے مطابق ان کو تنقید اور جرح و تعدیل کے ترازو پر تولتے تو اپنی رائے کا اظہار کیسے کرتے؟ اس کو کیسے ثابت کرتے؟ اور تحریر میں کیسے بدلتے؟

ایتین دینیہ ( ) کی کتاب "مشرق کو مغرب کیسے دیکھتا ہے" کے آخر میں اس انداز بحث و تحقیق سے متعلق بعض آراء وافکار کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر سنوک ہرگرونج (SNOUCK HERGRONJE) نے صحیح کہا ہے کہ "محمدؐ کی جدید سیرت نگاری اس بات کی شاہد ہے کہ اگر تاریخی بحثوں کو کسی طے شدہ رائے یا نظریہ کا پابند کیا گیا تو وہ بے فائدہ (بانجھ) ثابت ہوں گی۔"

اور ہمارے دوست ڈاکٹر عماد الدین خلیل استشراقی فکر کے زیر عنوان رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "مستشرقین۔ خاص کر ان کی سابق نسلوں ۔ کی کتابوں سے تاریخی نصوص کے اس (خاص قسم کے انتخاب) یا (اختیاری تفسیر) کی ہم دسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں دے سکتے ہیں۔ جیسے کہ بروکلمان (BROCKELMAN) نے مدینہ منورہ پر احزاب (مختلف گروہوں) کو حملہ پر آمادہ کرنے میں یہودیوں کے کردار کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، نہ بنی قریضہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت آزمائش کے وقت ۔ بدعہدی کا ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے یہ کہا ہے کہ: پھر مسلمانوں نے بنی قریضہ پر حملہ کیا جن کا سلوک بہرحال غامض و مبہم تھا۔ اور اسرائیل ولفنسن (ISRAEL WILFINSON) نے معرکۂ خندق کے موقع پر مشرکین اور یہود کے درمیان عدم اعتماد کے ذیل میں نعیم بن مسعود کے واقعہ کا سبب کے طور پر ذکر کرنے سے گریز کیا ہے، شائد اس وہم میں مبتلا کرنے کے لئے کہ یہود دھوکہ نہیں کھا سکتے۔"

مذہبی رجحانات کا دباؤ

مذکورہ ذاتی رجحانات و خواہشات کے تابع مؤلفین کی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو اسلامی تاریخ پر اپنے مذہبی فکری رجحانات مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے فکری قاہرانہ جابرانہ دباؤ کے تحت حقائق کو زبردستی مسخ کرنے کے طریق کار پر کاربند ہوتے ہیں، تاکہ ان حقائق سے کبھی ایوان "اشتراکیت" کی صدائے بازگشت آئے، اور کبھی "آزاد خیالی" کا نعرہ بلند ہو، کبھی عمرؓ اور ابوذرؓ "بائیں بازو" کے نمائندہ دکھائی دیں تو کبھی عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ "جاگیردار دائیں بازو" کے نمائندہ تاکہ اسلام میں دائیں

اور بائیں بازوؤں کی کشمکش ثابت کی جاسکے۔

ان لوگوں نے اسلامی واقعات کو اپنی خواہشات کے ہم مزاج بنانے کے لئے کمزور آراء اور تحلیلات کا سہارا لیا، اور ان کو گمبھیر بنا کر اس طرح پیش کیا کہ صرف وہی حق ہے اور اس کے ماسوا سب باطل، اسی طرح انھوں نے اسلام سے خارج اور منحرف اشخاص کو اسلام کے نمائندہ مفکرین و فلاسفہ کے طور پر پیش کیا، اور تاریخ کے میدان میں باطنی رجحانات، الحادی افکار اور نراجی خیالات کے حامل افراد کو ترجیح دے کر ان کو امت مسلمہ کے نمائندہ اسلامی دھارے کی بالادستی کے مقابلہ میں فوری مخالف جماعت کے طور پر پیش کیا۔

عصری رجحانات کی سابق اسلامی واقعات پر تطبیق

اس غلط طریق کار (جس کے ہماری تاریخ کے خلاف ثقافتی عمل کے عمائدین پابند ہیں) کا ایک اور مظہر یہ بھی ہے کہ اکثر مستشرقین وضعی و لادینی منطق اور مغربی طرز زندگی کے زیر اثر معاصر ماحول کے مشاہدات کی تطبیق ماضی کے اسلامی واقعات پر کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلم مستشرق رنیہ (RENE) کا خیال ہے کہ۔

"اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ مستشرقین اپنے جذبات، ماحول اور مختلف رجحانات سے اپنے کو اسلامی تاریخ کے مطالعہ کے وقت الگ رکھ سکیں، اسی لئے نبیؐ اور صحابہؓ کی سیرت نگاری میں ان کی تحریف اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ اس نے ان کے حقیقی خدوخال اور رنگ و روپ کو ڈھانپ لیا ہے۔ ان کے ان دعووں کے باوجود کہ وہ صرف سادہ غیر جانبدار اسلوب تنقید اور خالص علمی بحث و تحقیق کے مسلّمہ قوانین کے پیروکار ہیں، ہم ان کی تحریروں میں بخوبی محسوس کر سکتے ہیں کہ اگر مؤلف جرمن یا اٹلی نژاد ہے تو محمدؐ گویا جرمن یا اٹلی لہجہ میں بات کر رہے ہیں، اس طرح محمدؐ کی قومیت مصنف کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہے۔ بلاشبہ مستشرقین ہمارے سامنے ایسی خیالی تصویر پیش کرتے ہیں جو حقیقت سے بعید تر ہیں۔"

اس طرح ان متعدد و متنوع مظاہر نے تاریخ اسلامی سے شغف رکھنے والے بہت سے طبقات کے طریق کار کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا، اور ان سب مظاہر کی وجہ کم از کم جہالت یا زیادہ تر بغض و کینہ ہے، جن کی حقیقت کی تلاش کے میدان میں کوئی گنجائش نہیں۔

(الرائد، لکھنؤ، جلد ۲۷، شمارہ ۳، ۴ - ۱۳ - ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱ - ۱۶ اگست ۱۹۸۵ء

بحوالہ الرعوہ